مولانا شہاب الدین ندوی (انڈیا)

قسط ۲

جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت

۴۔ بنی اسرائیل میں تین افراد تھے۔ ایک برص زدہ۔ دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا جن کا طویل قصہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ مختصر یہ کہ ان تینوں کی آزمائش ہوتی ہے جن میں سے پہلے دو ناکام ہوتے ہیں اور اندھا امتحان میں پورا اترتا ہے اور اپنی سابقہ حالت کو یاد رکھتے ہوئے اپنے محسن سے کہتا ہے۔

فخذ ما شئت ودع ما شئت۔ فواللہ لا اجھدک الیوم شیئا اخذتہ للہ۔

(الحدیث)

(ان بکریوں میں سے جتنی چاہے لے لو اور جتنی چاہو چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم آج جو کچھ بھی لو گے اس پر میں تمہیں مشقت میں نہیں ڈالوں گا (یا تم پر کوئی تنگی نہیں کروں گا)[1]

۵۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے۔

فقالوا رجل جھدہ الصیام

(الحدیث)

لوگوں نے کہا کہ یہ ایک ایسا آدمی ہے جسے روزے نے مشقت میں ڈال دیا ہے[2]

اس بحث سے جہاد کے حسب ذیل معانی و مفہومات ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ کسی بھی قسم کی کوشش یا جدوجہد کرنا، چاہے وہ شخصی اعتبار سے ہو یا دینی اعتبار سے۔

۲۔ دلیل و استدلال کے ذریعہ دین کی دعوت و تبلیغ کرنا۔

۳۔ اللہ کی راہ میں جنگ کرنا یعنی دین و ملت کی مدافعت میں لڑنا۔

۴۔ جہاد کی ایک قسم "جہاد مالی" بھی ہے یعنی جہاد جس طرح [illegible] قی ولسانی ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ مالی بھی ہوسکتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعہ جہاد کرو۔

خلاصہ یہ کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد کا واحد مفہوم نہیں ہے۔ اور جہاد سے مراد ہمیشہ جہاد عسکری (جنگ و جدل) لینا بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ جس دور میں اس کا جو تقاضا ہو گا اس کے مطابق اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنا "جہاد"

ہوگا۔ اگر کسی وقت قتال (جنگ و جدل) کی ضرورت پیش آجائے تو اس وقت قتال کرنا ضروری ہوگا اور جس وقت حالات قتال کی اجازت نہ دیں تو اس وقت دلیل و استدلال کے ذریعہ دعوت و ارشاد ضروری ہوگا۔ مگر مقصود ہر حال میں اعلائے کلمۃ اللہ (خدا کی بات کو اونچا کرنا) مطلوب ہونا چاہیئے۔

فی سبیل اللہ لغت اور اصطلاح میں اس موقع پر ضروری ہے کہ فی سبیل اللہ کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم پر بھی ایک نظر ڈالی جائے تاکہ اس سلسلے کے تمام گوشے روشنی میں آجائیں۔ چنانچہ از روئے لغت "سبیل" واضح اور آسان راستے کو کہتے ہیں۔

السبیل :- الطریق الواضحۃ السھلۃ :- سبیل واضح اور آسان راستے کا نام ہے[1]

السبیل :- الطریق الذی فیہ سھولۃ :- سبیل اس راستے کو کہتے ہیں جس میں سہولت ہوتی ہے[2]

امام راغب تحریر کرتے ہیں کہ سبیل ہر اس راستے کو کہا جاتا ہے جو بطور ذریعہ کسی چیز کے خیر یا شر کی طرف لے جاتا ہو۔ (ویستعمل السبیل لکل ما یتوصل بہ الی شیٔ خیراً کان أو شراً) چنانچہ وہ اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اُدع الی سبیل ربک۔ اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ۔

۲۔ ولتستبین سبیل المجرمین۔ تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے۔

اور علامہ ابن اثیر (م ۶۰۶ھ) تحریر کرتے ہیں۔

فالسبیل فی الاصل الطریق۔ سبیل اصل میں راستے کو کہتے ہیں۔

وسبیل اللہ عام یقع علی کل عمل خالص سلک بہ طریق التقریب الی اللہ تعالیٰ۔

بأداء الفرائض والنوافل وأنواع التطوعات۔

"اللہ کا راستہ" عام ہے جو ہر خالص عمل کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو فرائض و نوافل اور مختلف قسم کے رضا کارانہ اعمال کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے ہو۔

واذا أطلق فھو فی الغالب واقع علی الجھاد، حتی صار لکثرۃ الاستعمال کانہ مقصور علیہ

اور جب یہ الفاظ (کلام عرب میں) بغیر کسی قرینے کے مطلقاً بولے جائیں تو غالب طور پر اس سے مراد جہاد ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کثرت استعمال کے باعث گویا کہ اس معنی کے لئے خاص ہو گیا ہے[4]

---

[1] معجم الفاظ القرآن الکریم ۱/۵۶۸ [2] مفردات القرآن ص ۲۲۸ [3] ایضاً
[4] النہایہ فی غریب الحدیث ۲/۳۳۸، ۳۳۹

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ موصوف نے سبیل اللہ کو مطلق ہونے کی صورت میں جہاد کے مفہوم پر دلالت کرنے والا ضرور قرار دیا ہے مگر دوسری طرف وہ یہ بھی بیان کر رہے ہیں کہ یہ قطعی مفہوم نہیں بلکہ "گمان غالب" کے طور پر ہے۔ بالفاظ دیگر اس میں جہاد مراد نہ ہونے کا احتمال بھی موجود ہو سکتا ہے اور دوسری جگہ انہوں نے خود جہاد کی جو تعریف کی ہے اس سے ہر حال میں لڑائی جھگڑا مراد ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس میں "علمی جہاد" بھی شامل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

الجهاد محاربة الكفار وهو المبالغة واستفراغ ما في الوسع والطاقة من قول أو فعل

غرض فی سبیل اللہ سے ہر جگہ جہاد مراد ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ علامہ ابن اثیر کی تصریح کی رو سے عمومی حالات میں اس کا اطلاق ہر قسم کی عبادات پر ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ فرائض سے متعلق ہو یا نوافل سے لیکن جہاں پر اس کا اطلاق صرف جہاد ہی پر ہو تو وہاں پر اس سے مراد صرف "عسکری جہاد" یا "فوجی کارروائی" ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس میں "لسانی جہاد" اور اس کی مناسبت سے "علمی و قلمی جہاد" بھی داخل و شامل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اوپر صفحات میں لفظ جہاد کی تشریح و تفصیل سے بخوبی ظاہر ہو گیا۔ لہٰذا جب یہ دونوں دعوے ثابت نہیں تو پھر معترض اب کن "ٹانگوں" پر کھڑے ہو کر "علمی جہاد" کا مقابلہ کریں گے؟ اسی کو کہتے ہیں ع

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

جہاد اور فی سبیل اللہ فقہا کے نزدیک واضح رہے کہ جہاد اور فی سبیل اللہ کے بارے میں مذکورہ بالا تشریح و تفسیر صرف ائمہ لغت ہی کی نہیں بلکہ خود ہمارے علماء و فقہا نے بھی ان کو شرح و تفسیر اس انداز میں کی ہے۔ اور خاص کر جہاد کے اس "دعوتی پہلو" کو بھی نمایاں کیا ہے اس لحاظ سے قدیم فقہاء نے فی سبیل اللہ سے جو عموماً جہاد مراد لیا ہے اس کی رو سے جہاد بمعنی قتال پر اصرار کرنا قطعاً بے معنی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ محقق علمائے امت نے جہاد کے مفہوم میں وسعت پیدا کرتے ہوئے اس دین حق کی دعوت اور اس کی نشر و اشاعت کو بھی شامل کر لیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر میں جہاد کی تعریف اس طرح کرتے ہیں :-

غلب في عرفهم على جهاد الكفار وهو دعوتهم الى الدين الحق، وقتالهم ان لم يقبلوا

اہل عرب کے عرف میں اس کا اطلاق غالب طور پر کافروں سے جہاد کرنے پر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں دین حق کی دعوت دی جائے اور اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کی جائے[1]

---

[1] حوالہ سابق ۱/۳۱۹

نیز موصوف نے جہاد کی تعریف سے پہلے اس کا مقدمہ اس طرح قائم کیا ہے۔ کہ جہاد دراصل خدا کی بات کو اونچا کرنے کی غرض سے دنیا سے فتنہ و فساد کو دور کرنا ہے جیسا کہ ان کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

وهو اخلاء العالم من الفساد۔ يكون كل منهما حسنًا لحسن غيره۔ وذالك الغير وهو اعلاء كلمة الله تعالى [1]

ملک العلماء علاؤ الدین کاسانی نے جہاد کی تعریف اس سے زیادہ بہتر الفاظ میں کی ہے۔

وأما الجهاد في اللغة فعبارة عن بذل الجهد (بالضم) وهو الوسع والطاقة أو عن المبالغة في العمل من الجهد (بالفتح) وفي عرف الشرع يستعمل في بذل الوسع والطاقة بالقتال في سبيل الله عزوجل، بالنفس والمال واللسان أو المبالغة في ذلك۔

جہاد کے معنی لغت میں طاقت خرچ کرنے یا کسی کام میں مبالغہ کرنے کے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد اللہ کی راہ میں لڑنے کی غرض سے طاقت خرچ کرنے یا اس راہ میں مبالغہ کرنے خواہ وہ نفس کے ذریعہ ہو یا مال کے ذریعہ ہو یا زبان کے ذریعہ [3]

دیکھئے اس تعریف کے مطابق اللہ کے راستے میں لڑنا یا جہاد کرنا صرف بدنی اعتبار ہی سے ضروری نہیں بلکہ وہ مالی و لسانی اعتبار سے بھی صحیح ہے۔ اور "جہاد لسانی" ہی کا دوسرا نام " دعوت و تبلیغ " ہے چنانچہ موصوف نے اس کی مزید تشریح آگے چل کر خود اپنے الفاظ میں اس طرح کی ہے۔

ولأن ما فرض له الجهاد، وهو الدعوة الى الاسلام واعلاء الدين الحق و دفع شر الكفرة وقهرهم يحصل بقيام البعض به

کیونکہ جہاد فرض کرنے کا جو مقصد ہے یعنی اسلام کی دعوت، دین حق کا غلبہ۔ کافروں کے شر سے بچاؤ اور انہیں دبا کر رکھنا۔ وہ جہاد کی بعض صورتوں سے حاصل ہو سکتا ہے [4]

اور حافظ ابن حجرؒ نے بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں جہاد کی جو شرح و تفصیل کی ہے وہ بڑی محققانہ اور فکر انگیز ہے جس کے مطابق جہاد جس طرح ہاتھ کے ذریعہ ہو سکتا ہے اسی طرح وہ مال کے ذریعہ، زبان کے ذریعہ اور قلب کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات قرآن و حدیث کی تصریحات (نصوص) کے

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب السیر ۵/۱۸۷ مطبوعہ کوئٹہ۔ [2] ایضاً [3] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷/۹۷ مطبوعہ کراچی [4] ایضاً ۷/۹۸۔

عین مطابق ہے (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے جہاں پر معترض نے ڈنڈی مار کر موصوف کے معنی ومفہوم کو عمداً بگاڑنے اور دین وشریعت میں تحریف کرنے کی کوشش کی ہے) اس موقع پر ابن حجر کی وہ عبارت پیش کی جاتی ہے جس کو انہوں نے علامہ ابن دقیق العید کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔

القیاس یقتضی أن یکون الجہاد أفضل الاعمال التی ھی وسائل ۔ لأن الجہاد وسیلة الی اعلان الدین ونشرہ واخماد الکفر ودحضه۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جہاد ان تمام اعمال سے زیادہ افضل ہو جو مسائل سے متعلق ہیں۔ کیونکہ جہاد دین کے اعلان اور اس کی نشر واشاعت اور کفر کو ملیا میٹ کرنے کا (سب سے بڑا) وسیلہ ہے [1]

جہاد کا اصل مقصد اوپر کی بحث سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ جہاد کا اصل اور سب سے بڑا مقصد اسلام کی نشر واشاعت اور اعلائے کلمۃ اللہ (یعنی اللہ کی بات کو اونچا کرنا اور کلمہ کفر کو پست اور نیچا کرنا) ہے اور یہ بات متعدد حدیثوں سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث کے الفاظ ہیں

من قاتل لتکون کلمة اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ۔

جو اللہ کی بات کو اونچا کرنے کی غرض سے لڑا وہ اللہ کے راستے میں ہے [2]

اس موقع پر ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اسلامی اصولوں کے مطابق خود جہاد و قتال کے موقع پر بھی کافروں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنی ضروری ہے۔ اس کے بغیر قتال جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ یہ بات متعدد حدیثوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے۔

باب ما جاء فی الدعوة قبل القتال یعنی جنگ سے پہلے دعوت دینے کا بیان۔

اس باب کے تحت موصوف نے ایک حدیث بیان کی ہے۔ جس کے مطابق ایک اسلامی لشکر فارس کے ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیتا ہے۔ جس کے امیر حضرت سلمان فارسیؓ تھے۔ اس موقع پر اہل لشکر اپنے امیر سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہم جنگ شروع کر دیں؟ تو اس پر صحابی مذکور فرماتے ہیں:۔

دعونی ادعوھم، کما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یدعوھم

مجھے ان لوگوں کے سامنے (دین کی) دعوت پیش کرنے دو جیسا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کو دعوت پیش کرتے ہوئے سنا ہے [3]

---

[1] فتح الباری از حافظ ابن حجر ۶/۵ مطبوعہ دار الافتاء ریاض [2] بخاری کتاب الجہاد ۳/۲۰۶ (استنبول) مسلم کتاب الامارت ۳/۵۱۲ مطبوعہ ریاض۔ مسند احمد ۱/۱۶۶ (؟) [3] جامع ترمذی کتاب السیر ۴/۱۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی۔

اسی طرح امام بخاریؒ کے معاصر اور مشہور محدث امام عبداللہ دارمیؒ (م ۲۵۵ ھ) نے اپنی مشہور کتاب حدیث "سنن دارمی" میں ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے۔

باب فی الدعوة الی الاسلام قبل القتال - جنگ و جدل سے پہلے اسلام کی طرف بلانے کا بیان اور اس باب کے تحت کئی حدیثیں درج کی ہیں جن میں سے ایک اس طرح ہے۔

عن ابن عباس قال - ما قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوماً حتی دعاھم

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم سے اس وقت تک جنگ نہیں کی جب تک کہ انہیں دین کی دعوت نہ دی[1]

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اصل جہاد اور اس کی روح اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اس کا پرچار ہے۔ اگر وہ پرامن طریقے سے حاصل ہو جائے تو جنگ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اور چونکہ آج دنیا بھر کے مسلمان اس قسم کا "اقدامی جہاد" کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ لہٰذا اب انہیں "پرامن جہاد" کو اپنانے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا۔ اور موجودہ "نظریاتی دور" میں یہی بات زیادہ بہتر اور مناسب بھی نظر آتی ہے۔ ہاں اگر مسلمان اقدامی جہاد کرنے کے موقف میں ہوتے تو بات اور تھی۔ یہ قرآن اور حدیث کی تمام تعلیمات کا خلاصہ اور اس کا نچوڑ ہے۔ اور خود مکی اور مدنی زندگی کے حالات سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان جب تک مکہ میں رہے انہیں جہاد یا قتال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں تھی۔ مگر جب مدنی دور میں انہیں طاقت و شوکت حاصل ہو گئی تو حالات دفعتہً بدل گئے۔ حالانکہ نفس "جہاد" خود مکی زندگی میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی فرض ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ایک حدیث سے اس حقیقت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

الجہاد ماضٍ منذ بعثنی اللہ الیٰ ان یقاتل آخر امتی الدجال

جہاد اس وقت سے جاری و نافذ ہے جب سے کہ اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا۔ یہاں تک کہ میری امت کا آخری شخص دجال سے جنگ نہ کرلے[2]

ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پہلے ہی دن سے جہاد نافذ ہونے کا مطلب سوائے پرامن تبلیغ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب اس پرامن تبلیغ کو آپ چاہے دعوت و ارشاد کا نام دے لیجئے

---

[1] سنن دارمی ۲/۲۱۷ مطبوعہ بیروت۔ یہ حدیث مسند احمد ۱/۲۳۱۔ اور مستدرک حاکم ۱/۱۵ میں بھی مذکور ہے [2] ابو داؤد کتاب الجہاد ۳/۴۰ مطبوعہ حمص (شام)

یا علمی و قلمی جدوجہد کا۔ حالات جیسے مناسب ہوں ویسا ہی طریقہ کار اختیار کیا جا سکتا ہے۔

فلسفیانہ نقطہ نظر سے جہاد کی سب سے بہتر تشریح امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ) نے کی ہے جو بڑی ہی بصیرت افروز ہے۔ جس کے ملاحظہ کے بعد اس سلسلے کے تمام عقدے حل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ موصوف تحریر کرتے ہیں۔

"جہاد چونکہ اسلام کی چوٹی ہے اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے راستے میں قلب کے ذریعہ ہر طرح سے جہاد کر کے اس کا حق ادا کر دیا ہے اور اس اعتبار سے آپ کے تمام اوقات قلبی جہاد، لسانی جہاد کے لئے وقف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کے ساتھ ہی آپ کو جہاد کا حکم دے دیا تھا جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔"

ولو شئنا لبعثنا فی کل امۃٍ نذیراً۔ فلا تطع الکفرین وجاھدھم بہ جھاداً کبیراً ہ

اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔ (لیکن ایسا کرتے ہوئے ہم نے ایک جامع کلام نازل کر دیا ہے) لہذا تو کافروں کی بات مت مان اور اس قرآن کے ذریعہ ان کے ساتھ بہت بڑا جہاد کر۔ (فرقان ۵۱، ۵۲)

یہ مکی سورت ہے جس میں کفار کے ساتھ دلیل و استدلال اور تبلیغ قرآن کے ذریعہ جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ توبہ کی آیت ۷۳ کے مطابق منافقین کے ساتھ بھی (علمی) جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے[1]

حاصل بحث یہ کہ اول تو فی سبیل اللہ سے لازمی طور پر جہاد مراد ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ یہ صرف ایک احتمال ہے۔ اور پھر اس سے جہاد مراد لینے کی صورت میں بھی جہاد سے مراد لازمی طور پر جنگ و جدال مراد لینا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اسلام کی دعوت اور اس کی تبلیغ و اشاعت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اس تشریح و تفصیل سے معترض کے تمام ہوائی قلعے مسمار ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا طلسم پوری طرح ٹوٹ جاتا ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ جن فقہا اور مفسرین نے فی سبیل اللہ (توبہ ۶۰) کی تفسیر جہاد کے لفظ سے کی ہے اس سے یہ اختلاف محض لفظی بن کر رہ جاتا ہے۔ معنوی طور پر کوئی اختلاف دکھائی نہیں دیتا کیونکہ اس تحقیق کی رو سے جہاد قولی یا علمی اصل ہے اور جہاد عسکری (فوجی) کی حیثیت ثانوی قسم کی ہے لہذا اب اگر "جمہور" کے مسلک ہی کو معتبر قرار دیا جائے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ اصل میں

(باقی ص ۳۵ پر)

---

[1] خلاصہ از زاد المعاد از ابن قیم، مرتبہ شعیب ارناؤط، ۳/۵، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
دسواں ایڈیشن ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

ٹینڈر نوٹس

زیر دستخطی کو برائے سال ۹۱-۱۹۹۰ء کے لئے مندرجہ ذیل کلوتھنگ اشیاء کی ضرورت ہے جس کی سپلائی کے لئے حکومت سے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے سربمہر ٹینڈرز مورخہ ۹۰-۷-۹ تک دفتر ایس ایس پی پولیس لائن پشاور بمعہ متعلقہ نمونہ جات پہنچ جانے چاہئیں۔

ہر ٹینڈر کے ساتھ مبلغ پانچ ہزار (۵۰۰۰/-) روپیہ بینک ڈرافٹ کال ڈیپازٹ ہونا ضروری ہے۔

زیر دستخطی کوئی بھی یا تمام ٹینڈر وجہ بتائے بغیر منسوخ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

۱۔	پی ٹی شوز	۴۰۰ جوڑے
۲۔	پاسبان	۸۰۰۰ عدد
۳۔	بلیو ڈوری	۲۰۰ عدد
۴۔	ڈرائیور بوٹ	۲۰۰ جوڑے
۵۔	کے ٹی یونیفارم زنانہ قمیص و شلوار	۷۰ جوڑے
۶۔	جراب بلیو	۱۵۰۰۰ جوڑے
۷۔	مچھر دانی	۲۰۰ عدد
۸۔	جھنڈا پاکستانی ریشمی	۱۵ عدد
۹۔	جھنڈا پاکستانی برائے مُردہ	۲ عدد
۱۰۔	ڈنڈا پولیس	۲۰۰ عدد

مزید تفصیلات دفتر ہذا سے دفتری اوقات میں حاصل کی جا سکتی ہے۔

محمد یعقوب خان۔ (ایس ایس پی پشاور)

INF(P) 2471